© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زکوٰۃ کو اجتماعی طور پر جمع کرنا اور اس کی سرمایہ کاری کر کے تقسیم کرنا؟

بعض نمازی حضرات علاقائی سطح پر مساجد میں زکوٰۃ جمع کرنے کی کمیٹیاں بنالیتے ہیں اور اس کو نادار وفقرا میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایسے ہی بعض کاروباری لوگ بھی زکوٰۃ کا ایک مشترکہ نظام تشکیل دیتے ہیں اور اپنی زکوٰۃ کے ثمرات کو وسیع تر کرنے کے لیے اس مال سے سرمایہ کاری کر کے، اس سے نیکی کے بڑے کام کرنا چاہتے ہیں۔ اس دوسری صورت کے بارے میں ایک سوال نامہ شرعی رہنمائی کے لیے موصول ہوا، جس میں دریافت کیا گیا کہ

"کاروباری فرد 'زید' نے اپنے کاروبار کے ساتھ ساتھ ایک رفاہی/خیراتی ادارہ بھی قائم کیا ہے جس میں وہ اپنے کاروبار کی زکوٰۃ کے علاوہ، اپنے دیگر کاروباری دوستوں کی زکوٰۃ بھی جمع کرتا ہے۔ زید اس مشترکہ مالِ زکوٰۃ کو مصارفِ زکوٰۃ کے علاوہ مزید کاروبار میں بھی لگادیتا ہے تاکہ مالیت بڑھ جانے سے زیادہ سے زیادہ مستحق اس سے فائدہ اُٹھاسکیں، اور زکوٰۃ صرف کرنے کا یہ سلسلہ بلاتعطل جاری رہے۔ زید نے اس رفاہی ادارے کے انتظام وانصرام کے لیے اپنے بیٹے کو بلاکسی مشاہرہ یامالی منفعت کے مامور کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح زید اور اس کے دوستوں کا فریضہ زکوٰۃ ادا ہو جاتا ہے، اور بالفرض اس مالِ زکوٰۃ سے ہونے والے کاروبار میں اگر کوئی نقصان ہو تو اس سے زکوٰۃ دینے والوں کے ادائیگی فرض میں کوئی کمی تو واقع نہ ہوگی؟"

آغاز میں دو مختلف صورتیں پیش کی گئی ہیں، جن دونوں میں زکوٰۃ کو اجتماعی طور پر جمع کرنا قدرِ مشترک ہے۔ دونوں صورتوں میں کونسی درست اور بہتر ہے اور دوسری صورت میں کیا خامی پائی جاتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ سوال نامے میں درج دونوں سوالات کا درست جواب پوچھے گئے نظام زکوٰۃ کی درست شرعی حیثیت پر موقوف ہے، اس لیے اس سے قبل ہم مذکورہ بالا نظام کا درج ذیل پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہیں:

زیر بحث شرعی پہلو

① انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کرنے کے بجائے اجتماعی طور پر زکوٰۃ کو تقسیم کرنا۔

② زکوٰۃ کے مشترکہ مال کو صرف کر دینے کی بجائے اس میں اس بنا پر اضافے کی کوشش کرنا کہ اس سے اس مال کی اِفادیت بڑھ جائے۔

③ اس کاروبار کی نگرانی اپنے بیٹے کے سپرد کرنا، جو اس انتظام کا کوئی معاوضہ نہیں لیتا۔

زکوٰۃ کو اجتماعی طور پر جمع کرنا

اسلام ایک اجتماعی دین اور مکمل نظامِ حیات ہے۔ اسلام میں جس طرح نماز کو اجتماعی طور پر ادا کرنے کی تلقین کی گئی اور اس کی بدرجہا فضیلت ہے، حتی کہ بعض احادیث کی رو سے نماز کو اجتماعی طور پر ادا کرنا فرض قرار پاتا ہے[۱]، اسی طرح زکوٰۃ بھی ایک اجتماعی فریضہ ہی ہے۔

جس طرح فرض نماز جسم اور اعضا و جوارح کا ذاتی حق ہے، اور اہل اسلام پر دیگر نمازیں پڑھنا بھی فرض ہے مثلاً نمازِ عیدین، نمازِ جمعہ، نمازِ جنازہ وغیرہ، اسی طرح اہل اسلام کے 'اَموال کا ذاتی حق'، ان میں زکوٰۃ ادا کرنا ہے جبکہ مسلمانوں کے اموال میں دیگر فرائض بھی ہیں مثلاً صدقہ فطر، مساکین، عزیز واقارب پر صرف کرنا اور اہل خانہ کا نان نفقہ ادا کرنا وغیرہ۔ اس لیے واضح رہنا چاہیے کہ صرف زکوٰۃ ہی مال میں فرض نہیں ہے، بلکہ یہ مال کا ذاتی حق ہے، اور اس کے علاوہ حالات و عوارض کی بنا پر پیش آنے والے اور بھی مالی حقوق ہیں[۲]۔ زکوٰۃ اور دیگر صدقات کے احکام میں بہت سا فرق بھی ہے۔

۱ صحیح مسلم: باب یجب اتیان المساجد علی من سمع النداء: رقم، ۶۵۳، حدیثِ ابوہریرہ جس میں نابینا کا ذکر ہے۔

۲ علامہ ابو طیب سندی 'شرح ترمذی' میں فرماتے ہیں: هذا يقتضي أنه ليس عليه واجب مالي غير الزكاة، وباقي الصدقات كلها تطوع. وهو يشكل بصدقة الفطر والنفقات الواجبة إلا أن يقال الكلام في حقوق المال، وليس شيء من هذه الأشياء من حقوق المال، بمعنى أنه يوجبه المال، بل يوجبه أسباب أخر كالفطر والقرابة والزوجية وغير ذلك. فالحقوق التي يوجبها المال فقط، تقتضي بالزكاة بحوالہ مرعاۃ المفاتیح از مولانا عبید اللہ مبارکپوری: ۳۴۸/۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دورِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں زکوٰۃ سرکاری سطح پر جمع کی جاتی اور اجتماعی طور پر ہی صرف کی جاتی۔ نبی کریم ﷺ کو قرآنِ کریم میں یہ حکم دیا گیا کہ

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾[1]

"آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ وصول کریں جو ان کے مالوں کو پاک کردے اور ان کا تزکیۂ نفس کردے۔"

نبی کریم ﷺ اسی بنا پر عاملین زکوٰۃ کو مختلف علاقوں میں زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے، ہدایات دے کر بھیجا کرتے۔ اور خلیفہ اوّل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آغازِ خلافت میں زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے اپنے نمائندے بھیجے۔ جب کچھ لوگوں نے آپ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وَاللهِ لو منعوني عناقاً – وفي رواية عقالاً – كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ لَأُقَاتِلَنَّهُمْ عَلَى مَنْعِهِ[2]

"اللہ کی قسم! اگر یہ مجھے ایک بکری کا بچہ بھی دینے سے انکار کریں، ایک روایت میں رسّی کا تذکرہ ہے، جو یہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے تو میں اس گردن یا رسّی کو وصول کرنے کے لیے ان سے جنگ کروں گا۔"

اور اسی بنا پر پھر سیدنا ابو بکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کیا جس کی سیدنا عمرؓ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تصدیق کی۔ دورِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں یہی نظام چلتا رہا، حتیٰ کہ سیدنا عمرؓ کے آخری اور سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اموالِ زکوٰۃ کی اس قدر بہتات ہوگئی کہ حکومت کے لیے ان کو تقسیم کرنا مشکل ہونے لگا۔ ان حالات میں دورِ عثمانی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ اجتہاد کیا کہ اموالِ ظاہرہ میں زکاۃ کی ادائیگی مسلم حکمران کو کی جائے، جبکہ اموالِ باطنہ میں زکوٰۃ کی تقسیم مسلمان خود کر لیا کریں۔ 'اموالِ ظاہرہ' سے مراد عوام الناس کے ظاہری اموال مثلاً دورِ قدیم میں کھیت، مویشی، کانیں وغیرہ ہیں اور 'اموالِ باطنہ' سے مراد سونا چاندی اور کاروبار وغیرہ ہیں۔

کویت کے فقہی انسائیکلوپیڈیا میں فقہاے اسلام کا موقف یوں بیان کیا گیا ہے:

---

۱ سورۃ التوبۃ:۱۰۳

۲ صحیح بخاری، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ: رقم ۷۲۸۴، ۷۲۸۵ میں "لو منعوني عقالا" کے الفاظ آئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَأَمَّا الظَّاهِرَةُ فَيَجِبُ دَفْعُهَا إِلَى الْإِمَامِ، لِأَنَّ أَبَا بَكْرٍ طَالَبَهُمْ بِالزَّكَاةِ وَقَاتَلَهُمْ عَلَيْهَا، وَوَافَقَهُ الصَّحَابَةُ عَلَى هَذَا، فَلَيْسَ لِلْمُزَكِّي إِخْرَاجُهَا بِنَفْسِهِ، حَتَّى لَقَدْ صَرَّحَ الشَّافِعِيَّةُ بِأَنَّهُ لَوْ أَخْرَجَهَا كَذَلِكَ لَمْ تُجْزِئْهُ.[1]

”جہاں تک اموالِ ظاہرہ کا تعلق ہے تو مسلمان خلیفہ کو ہی اس کا ادا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ سیدنا ابو بکرؓ نے اس کا مطالبہ کیا تھا اور اس کو نہ دینے پر ان سے جہاد فرمایا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر ان کے ساتھ اتفاق کیا۔ چنانچہ زکوٰۃ دینے والے کے لیے جائز نہیں کہ خود ہی زکاۃ صرف کرے حتیٰ کہ شافعی فقہا کا تو یہ بھی موقف ہے کہ اگر کوئی شخص اموالِ ظاہرہ کو خود ہی ادا کرے گا تو اس سے اس کی زکاۃ ادا نہیں ہو گی۔“

وَأَمَّا زَكَاةُ الْأَمْوَالِ الْبَاطِنَةِ فَقَالَ الْحَنَفِيَّةُ: لِلْإِمَامِ طَلَبُهَا، وَحَقُّهُ ثَابِتٌ فِي أَخْذِ الزَّكَاةِ مِنْ كُلِّ مَالٍ تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، لِلْآيَةِ. وَمَا فَعَلَهُ عُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ فَوَّضَ إِلَى الْمُلَّاكِ زَكَاةَ الْمَالِ الْبَاطِنِ، فَهُمْ نُوَّابُهُ فِي ذَلِكَ، وَهَذَا لَا يُسْقِطُ طَلَبَ الْإِمَامِ أَصْلًا، وَلِهَذَا لَوْ عَلِمَ أَنَّ أَهْلَ بَلْدَةٍ لَا يُؤَدُّونَ زَكَاتَهُمْ طَالَبَهُمْ بِهَا. فَأَمَّا إِذَا لَمْ يَطْلُبْهَا لَمْ يَجِبِ الدَّفْعُ إِلَيْهِ.[2]

وَقَالَ الْمَالِكِيَّةُ وَالشَّافِعِيَّةُ: زَكَاةُ الْأَمْوَالِ الْبَاطِنَةِ مُفَوَّضَةٌ لِأَرْبَابِهَا، فَلِرَبِّ الْمَالِ أَنْ يُوصِلَهَا إِلَى الْفُقَرَاءِ وَسَائِرِ الْمُسْتَحِقِّينَ بِنَفْسِهِ.[3]

”اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کے بارے میں حنفی علما کا موقف ہے کہ امام کو انہیں بھی جمع کرنا چاہیے اور مسلم حاکم کو مذکورہ آیت کی بنا پر ہر ایسا مال جمع کرنے کا حق حاصل ہے جس میں زکاۃ واجب ہوتی ہے۔ جہاں تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اموالِ باطنہ کی زکاۃ کو مالکوں کے ذمہ تفویض کر دینے کا مسئلہ ہے تو وہ اس میں گویا مسلم حاکم کے نائب کے طور پر یہ فرض پورا کرتے رہے، اس سے حاکم کا حق ختم نہیں ہو گیا۔ چنانچہ اگر حاکم (امام) کو پتہ چلے کہ بعض لوگ اموالِ باطنہ کی زکاۃ نہیں دے رہے تو حاکم کو ان سے زکاۃ کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ تاہم اگر وہ مالکِ مال سے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ نہیں مانگتا تو اس صورت میں اسے نہ دینے کی گنجائش

---

۱ الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ج۲۳/ ص ۳۰۴

۲ المغنی: ۲/ ۶۴۱ تا ۶۴۳، وفتح القدیر والعنایۃ: ۱/ ۴۸۷، ۴۸۸، والدسوقی: ۱/ ۵۰۳

۳ الدسوقی: ۱/ ۴۳۲، والأحکام السلطانیۃ از ماوردی: ص ۱۱۳ القاہرۃ، مطبع مصطفی الحلبی، ۱۳۲۷ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اور مالکیہ وشافعیہ کا موقف ہے کہ باطنی اموال کی زکاۃ، ان کے مالکان کی ذمہ داری ہے، مال کے مالک کو چاہیے کہ وہ فقرا ومساکین پر صرف کرے۔" (وہ ایسی صورت میں حاکم/امام کے نائب کے طور پر مال زکوٰۃ تقسیم کریں گے۔)

پھر شافعی علما کہتے ہیں کہ حاکم کا اموال باطنہ کی زکاۃ خود تقسیم کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہ لوگوں کے احوال اور ضروریات کو زیادہ بہتر جانتا ہے، جبکہ حنبلی علما کی رائے ہے کہ مالکان کا خود تقسیم کرنا بہتر ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے علم ہوا کہ مال زکوٰۃ کو خود ادا کرنے کی بجائے مسلم حاکم کو دینا چاہیے۔

اب تقسیم زکاۃ کے حوالے سے مسلم حاکم میں بھی تفصیل ہے۔ 'امام عادل' سے مراد یہاں ایسا مسلم حکمران ہے جو زکوٰۃ کو شرعی نظام کے مطابق جمع کرتا اور شرعی مصارف کے مطابق مستحقین تک پہنچاتا ہے۔ مسلم حکمران کے شرعی فرائض مثلاً شرعی نظام عدل، نظامِ تعلیم، نظامِ معیشت وغیرہ قائم کرنے کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ اگر وہ ان فرائض کو پورا نہیں کرتا، زکوٰۃ کو مستحقوں تک نہیں پہنچاتا اور خود بھی شرعی بنیادوں پر قائم نہیں، تو ایسی صورت میں اس کو غیر عادل یعنی ظالم حکمران قرار دیا جائے گا۔ غیر عادل حکمران کے بارے فقہا کا موقف ہے:

الإِمَامَةَ لِحِرَاسَةِ الدِّينِ وَسِيَاسَةِ الدُّنْيَا، وَمَنْعُ الزَّكَاةِ هَدْمٌ لِرُكْنٍ مِنْ أَرْكَانِ الدِّينِ... فَذَهَبَ الْجُمْهُورُ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ إِلَى عَدَمِ جَوَازِ دَفْعِهَا إِلَى الإِمَامِ الجائر، وَأَنَّهَا لاَ تُجْزِئُ عَنْ دَافِعِهَا.

فَقَالَ الْحَنَفِيَّةُ: إِذَا أَخَذَ الْخَوَارِجُ وَالسَّلاَطِينُ الْجَائِرُونَ زَكَاةَ الأَمْوَالِ الظَّاهِرَةِ كَزَكَاةِ السَّوَائِمِ وَالزُّرُوعِ وَمَا يَأْخُذُهُ الْعَاشِرُ، فَإِنْ صَرَفُوهُ فِي مَصَارِفِهِ الْمَشْرُوعَةِ فَلاَ إِعَادَةَ عَلَى الْمُزَكِّي، وَإِلاَّ فَعَلَى الْمُزَكِّي فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ تَعَالَى إِعَادَةُ إِخْرَاجِهَا. وَأَمَّا الأَمْوَالُ الْبَاطِنَةُ فَلاَ يَصِحُّ دَفْعُهَا إِلَى السُّلْطَانِ الْجَائِرِ[1]

"مسلم حکمران، حفاظتِ دین اور اُمور دنیا کے مصالح پورا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ زکاۃ کو ادا نہ کرنے پر اس کو بالجبر حاصل کرنا جس طرح اس کا فریضہ ہے، اسی طرح باقی احکام دین کو معاشرے میں لاگو کرنا بھی اس کا فرض ہے۔

۱ فتح القدیر: ۱/ ۵۱۲، وحاشیۃ ابن عابدین: ۲/ ۲۴، والفتاوی الہندیۃ: ۱/ ۱۹۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حنفی مالکی علما کی اکثریت کا موقف ہے کہ ظالم حکمران کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی دے دے تو اس سے ادائے زکوۃ کا فرض پورا نہیں ہوتا۔ البتہ اگر خوارج یا ظالم حکمران ظاہری اموال کی زکاۃ جبراً لے لیں، مثلاً چوپایوں اور زرعی پیداوار کی زکوۃ اور جو عشر جمع کرنے والے لے جاتے ہیں۔ تو حنفیہ کے نزدیک اگر وہ اس کو شرعی مصارف میں خرچ کر دیں تب زکوٰۃ ادا ہو گئی اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مالک مال کا فرض ہے کہ اللہ اور اپنے مابین معاملے کی درستی کے لیے مزید زکوٰۃ ادا کرے۔ جہاں تک اموال باطنہ ہیں (جن کا ظالم حکمران کو پتہ نہیں چلتا) تو اس کو ظالم سلطان کے حوالے کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔

جبکہ حنبلی علما کا موقف ہے کہ اگر اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ جبراً لے لی جائے اور غلط مصارف میں بھی خرچ کر دی جائے تو (حنفیہ کے برعکس) مالکِ مال کے لیے اس کو دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں، اس کی زکوۃ ادا ہو گئی۔"

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ

① زکوٰۃ کا اصل اور شرعی نظام یہی ہے کہ نماز کی طرح اسے بھی اجتماعی طور پر ہی جمع اور تقسیم کیا جائے۔ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ اپنے طور پر تقسیم کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

② جو لوگ اپنے طور پر اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ تقسیم کرتے ہیں، وہ مسلم حاکم کی نیابت اور نمائندگی کرتے ہوئے ایسا کرتے ہیں۔

③ اس کو جمع اور صرف کرنا مسلم حکمران (امام) کا فریضہ ہے، جو اس سلسلے میں شرعی ذمہ داریاں (یعنی درست جمع کرنا اور صحیح مصارف پر تقسیم کرنا) اور حاکم کے دیگر شرعی فرائض پورا کرتا ہو۔

④ جو حکمران شرعی فرائض پورے نہیں کرتا، اس کو زکوٰۃ دینے سے گریز ہی بہتر ہے۔ اگر وہ جبراً لے لے تو ظاہری اموال کی حد تک حنفیہ کے نزدیک خود ادا کرنا ضروری ہو گا اور حنابلہ کی رائے میں، اسکی زکوۃ ادا ہو جائے گی، تاہم اموالِ باطنہ میں اس کو ایسے حاکم سے احتراز کرنا چاہیے۔

زکوٰۃ کی جمع و تقسیم کے سلسلے میں مثالی نظام کی نشاندہی تو قرآن و سنت سے کر دی گئی ہے، لیکن چونکہ دورِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں ادارۂ سیاست شرعی بنیادوں پر ہی قائم تھا، اسلیے اس کے برعکس صورتحال کا تذکرہ قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہیں ملتا۔ بعد کے علما و فقہا کو ہی ظالمانہ نظام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاست کا تجربہ ہوا، اس لیے اس سلسلے میں فقہاکے اقوال ورجحانات اوپر پیش کر دیے گئے ہیں۔

فی زمانہ صورت حال یہ ہے کہ مسلم ممالک کے موجودہ حکمرانوں میں ایک دو کو چھوڑ کر، اکثر و بیشتر شرعی فرائض کی انجام دہی کی پروا نہیں کرتے، مثلاً اقامتِ صلوۃ اور شرعی نظام عدل کا قیام نہیں کرتے، نہ تو ملتِ اسلامیہ کی حفاظت کرتے اور اس پر غیروں کے حملوں کا دفاع کرتے ہیں اور نہ ہی جہاد کے شرعی فریضے کو کوئی وزن دینے پر آمادہ ہیں۔ مسلم حکمران کے فرائض اور ذمہ داریاں یہ ہیں:

أ) حِفْظُ الدِّينِ عَلَى أُصُولِهِ الثَّابِتَةِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَإِجْمَاعِ سَلَفِ الأُمَّةِ، وَإِقَامَةُ شَعَائِرِ الدِّينِ.

ب) رِعَايَةُ مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ بِأَنْوَاعِهَا. كَمَا أَنَّهُمْ - فِي مَعْرِضِ الاِسْتِدْلاَلِ لِفَرْضِيَّةِ نَصْبِ الإِمَامِ بِالْحَاجَةِ إِلَيْهِ - يَذْكُرُونَ أُمُورًا لاَ بُدَّ لِلأُمَّةِ مِمَّنْ يَقُومُ بِهَا، وَهِيَ: تَنْفِيذُ الأَحْكَامِ، وَإِقَامَةُ الْحُدُودِ، وَسَدُّ الثُّغُورِ، وَتَجْهِيزُ الْجُيُوشِ، وَأَخْذُ الصَّدَقَاتِ، وَقَبُولُ الشَّهَادَاتِ، وَتَزْوِيجُ الصِّغَارِ وَالصَّغَائِرِ الَّذِينَ لاَ أَوْلِيَاءَ لَهُمْ، وَقِسْمَةُ الْغَنَائِمِ.[1] وَعَدَّهَا أَصْحَابُ كُتُبِ الأَحْكَامِ السُّلْطَانِيَّةِ عَشَرَةً. وَلاَ تَخْرُجُ فِي عُمُومِهَا عَمَّا ذَكَرَهُ الْفُقَهَاءُ فِيمَا مَرَّ، عَلَى أَنَّ ذَلِكَ يَزِيدُ وَيَنْقُصُ بِحَسَبِ تَجَدُّدِ الْحَاجَاتِ الزَّمَنِيَّةِ وَمَا تَقْضِي الْمَصَالِحُ بِأَنْ لاَ يَتَوَلاَّهُ الأَفْرَادُ وَالْهَيْئَاتُ، بَل يَتَوَلاَّهُ الإِمَامُ.[2]

"ا. کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ دینی اساسات کی حفاظت کرنا اور شعائر دینیہ کی حفاظت کرنا... ب. مسلمانوں کے مختلف النوع مصالح کی نگہبانی کرنا: جیسا کہ جب امام کے منصب کو قائم کرنے کی بات ہوتی ہے تو فقہا ان اُمور کا تذکرہ کرتے ہیں کہ امت میں ان کو قائم کرنے والا ضرور کوئی ہونا چاہیے۔ جو یہ ہیں: نفاذ شرعی احکام، حدود کا قیام، سرحدوں کی حفاظت، لشکروں کی تیاری، زکوۃ کی وصولی، گواہیوں کو قبول کرنا، ولی سے محروم یتیم لڑکے لڑکیوں کی شادی کرنا، مال غنیمت کی تقسیم کرنا- سیاست شرعیہ پر لکھنے والے علما نے ان کی تعداد ۱۰ تک بیان کی ہے۔ اور فقہا کے بیان کردہ فرائض سے یہ مذکورہ بالا اُمور خارج نہیں،

---

۱ حاشیۃ ابن عابدین ۱/ ۳۶۸، ۳/ ۳۱۰، ومغنی المحتاج ۴/ ۱۲۹، وشرح روض الطالب ۴/ ۱۰۸

۲ الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳۰/۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاہم وقتی حاجات اور بتقاضاے مصلحت ان کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے بایں طور کہ افراد اور ادارے ان کی ذمہ داری پوری کرنے کے مسئول نہیں، بلکہ یہ حکمران / امام کے فرائض ہیں۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسلم حکمران کے فرائض یوں بیان کیے ہیں:

"هي الرياسة العامة في التصدي لإقامة الدين بإحياء العلوم الدينية واقامة أركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة وإعطاءهم من الفيء والقيام بالقضاء وإقامة الحدود ورفع المظالم والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابةً عن النبي ﷺ"[1]

"یہ ایسی عمومی حکومت ہوتی ہے جو نبی مکرم کی نیابت میں نفاذِ دین کے فرض کو پورا کرتی ہے کہ وہ دینی علوم کا احیا کرے، ارکانِ اسلام (توحید و رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) کو قائم کرے، جہاد کو جاری کرے، متعلقہ لشکروں کی تنظیم کرے، وجوبِ جہاد کا اعلان اور مجاہدین میں مالِ فے و غنیمت تقسیم کرے، شرعی نظامِ عدل کو قائم کرے، حدوود کا نفاذ کرے، مظالم کی بیخ کنی کرے، اور معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جاری کرے۔"

جبکہ فی زمانہ مسلم حکومتیں اور ان کے حکمران ان شرعی فرائض، شریعت پر عدل وانصاف، شرعی نظام مالیات اور امن وامان کے علاوہ شرعی تعلیم اور شرعی نظامِ معاشرت کے فرائض مثلاً امر بالمعروف ونہی عن المنکر[2] اور اقامتِ دین کے فرائض سے کوسوں دور ہیں۔ اندریں حالات نہ تو وہ زکوٰۃ جمع کرنے کے مجاز ہیں اور نہ ہی اس کو درست مصارف میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایسی صورتحال میں ہونا یہ چاہیے...

اوّل تو اپنے طور پر زکوۃ ادا کرنے کی حوصلہ شکنی کی جائے، کیونکہ یہ رویہ اسلامی اجتماعیت اور شرعی مصالح کو تباہ کر دیتا ہے۔

ایسا نہیں کہ جب مسلم حکمران ان فرائض کی انجام دہی سے غافل ہیں تو مسلم معاشرے ان ذمہ داریوں سے بالکل فارغ ہو گئے ہیں۔ شرعی نظامِ قضا تو نہیں، لیکن دینی مدارس میں نظام افتا اپنے طور پر

---

۱ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء از شاہ ولی اللہ دہلوی: ۱/۵

۲ مسلم حاکم کے بنیادی فرائض اس آیت کریمہ میں بیان ہوئے ہیں: ﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ (الحج: ۴۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاری وساری ہے۔ شرعی نظام تعلیم کے مدارس، شرعی جہاد کی تنظیمیں، غلبہ دین کی تحریکیں بھی اپنے طور پر سرگرم عمل ہیں۔ ایسے ہی مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے سماجی ادارے بھی کام کر رہے ہیں۔

اندریں حالات ملتِ اسلامیہ کو چاہیے کہ فرقہ وارانہ بنیاد کو ترک کر کے، خالص اسلام کی بنا پر، مساجد کی سطح پر نظامِ زکوٰۃ کو بھی تشکیل دیا جائے جہاں اسلامی احکام کے مطابق زکوٰۃ کو جمع اور تقسیم کیا جائے اور اس میں شرعی پہلوؤں کی پوری طرح پاسداری کی جائے۔ اس نظام زکوٰۃ میں ایسے نیک افراد کو یہ ذمہ داری دی جائے کہ وہ زکوٰۃ کو جمع کر کے، اس کو عین شرعی مصارف کے مطابق خرچ کریں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ معاشرے میں شرعی مصالح کی تکمیل کے لیے مالی اخراجات کی قلت کا مسئلہ ختم ہو جائے گا اور معاشرے سے غربت کا بھی خاتمہ ممکن ہو سکے گا۔

اپنے تئیں زکوۃ ادا کرنے والے، اکثر و بیشتر کامل زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، بہت سی قابل نصاب چیزیں مثلاً تجارتی سامان میں زکوٰۃ، شیئرز و نقدی میں زکوٰۃ، تجارتی مقصد کے لیے پلاٹوں کی خرید و فروخت وغیرہ میں زکوٰۃ دی ہی نہیں جاتی۔ درست زکوۃ ادا کرنے والے، فرض نماز ادا کرنے والوں سے بھی بہت ہی کم ہیں۔ اور جو زکوۃ ادا کی جاتی ہے، اس کو بھی گھوم گھما کر اپنے ہی مفاد پر صرف کر دیا جاتا ہے اور مصارفِ زکوۃ کے اکثر شرعی پہلوؤں کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

جس طرح ملتِ اسلامیہ کا حکمران محض عوامی / سماجی طور پر منتخب ہو کر، صرف مصلحتِ عوام کے لیے کام کرنے والا نہیں ہوتا۔ بلکہ ملتِ اسلامیہ کا حکمران جسے شرعی اصطلاح میں امام، امیر یا خلیفہ کہتے ہیں، شرعی اصولوں کے تحت متعین ہو کر، خود بھی شرعی فرائض کی پاسداری کرتا اور معاشرے و مدارس کو اسلامی مقاصد کی طرف پیش قدمی کراتا ہے، عامۃ المسلمین کے حقوق اور ان میں ترجیحات کا تعین شریعت کی روشنی میں کرتا ہے، اسی طرح مساجد کی سطح پر ایسی زکوٰۃ کمیٹیوں کو، جو وقتی طور مسلم حاکم کی نیابت کے طور پر یہ کام کریں گی، اس میں بھی اس امر کی ضرورت ہے کہ اس میں ایسے ماہرین شریعت علما کو شامل کیا جائے جو ایک طرف زکوٰۃ کی مالیت کا تعین، جمع کرنے کے آداب اور مالکِ مال کے حقوق کی نگہداشت کے علاوہ مصارفِ زکوٰۃ کے اُمور کی ہمہ وقتی شرعی نگرانی کریں۔ تو دوسری طرف فریضہ امامت و اسلامی اجتماعیت کی ممکنہ پاسداری کرنے میں بھی اپنی صلاحیتیں صرف کریں، ان کے مقاصد میں مذکورہ بالا فرائض امامت کی کسی درجہ میں تکمیل بھی شامل ہو۔ عقل وقیاس کا تقاضا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ امامتِ کبریٰ (خلافت) کی نیابت بھی انہی اداروں کو سپرد ہو گی جو اس کے کسی فرض کی تکمیل میں کوشاں ہوں۔

چونکہ یہ سارا نظام شریعت کے ایک اہم تقاضے کی بنا پر، شرعی مصالح کے لیے ہی قائم ہوتا ہے، اس لیے اس میں لحہ بہ لحہ ماہرین شریعت کی نگرانی کی ضرورت موجود رہتی ہے۔ بصورتِ دیگر ایسی کمیٹیوں کی مثال، اس مسلم حکمران ہی کے مشابہ ہو جائے گی، جو شریعت کی رہنمائی اور فرائض سے غافل ہوتے ہیں۔ مزید برآں نظام زکوٰۃ کے ان مشیران وایڈوائزرز، شرعی ماہرین کے لیے یہ لازم کیا جائے کہ اوّل تو وہ اس نظام زکوٰۃ کے ماتحت ملازم نہ ہوں، بلکہ ان کو کسی مستقل نظام کے تحت اعزازیہ ملے، تاکہ کسی قسم کے دباؤ سے باہر رہ کر، وہ شرعی رہنمائی کا عظیم فرض انجام دے سکیں۔ ثانیاً، اُن کے فیصلے ان کے اپنے مفادات کو ہی تحفظ نہ پہنچا رہے ہوں۔

الغرض آج مسلمانوں کی اکثریت جو انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کر رہی ہے تو اس کی وجہ خلافت کے شرعی سیاسی مرکز کا معدوم ہونا ہے۔ زکوٰۃ کو اجتماعی طور پر ادا کرنا ہی اصل نظام شرعی ہے، تاہم اس کو محض ایک سوشل نظام کے بجائے، شرعی نظم ہونا چاہیے جس کو شرعی ماہرین کے زیر نگرانی ہونا چاہیے اور اس کو کسی مسجد، مدرسہ یا شرعی نظم وادارہ سے ہی وابستہ ہونا چاہیے۔

زکوٰۃ کے مال کو تاخیر سے ادا کرنا

مالِ زکوٰۃ کے بارے میں اُصول یہ ہے کہ وہ سال پورا ہونے کے فوری بعد واجب ہو جاتا ہے اور وجوب کے بعد اس کو ادا کرنا مالکِ مال کے لیے ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اس کو بروقت ادا نہیں کرتا تو وہ شرعی فریضہ میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے۔ بالفرض اس دوران وہ فوت ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آجائے تو یہ شرعی فریضہ اس کے ذمے قائم رہتا ہے اور وہ عدم ادائیگی کی وعید کا مستحق بنا رہتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ...﴾[1]

"فصل کی کٹائی والے دن ہی اس کا حق (یعنی عشر) ادا کردو۔"

یہ آیتِ کریمہ زرعی اجناس وغیرہ کے بارے میں ہے، اسی پر ہی باقی قابل زکاۃ چیزوں کو قیاس کیا جائے گا۔ زکوٰۃ غربا کا حق ہے، اور اس حق کا ان کو بروقت نہ ملنا شرعاً زیادتی ہے۔ اس میں تاخیر کا

1 سورۃ الأنعام: ۱۴۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلب یہ بھی ہے کہ وہ تاخیر غیر متعینہ مدت کے لیے ہوئی، جب ایک طویل مدت تک زکاۃ کی ادائیگی ہی نہ ہوئی تو پھر زکوۃ ادانہ کرنے والے کے لیے وعید کا مفہوم ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیات بھی نیکی کے کاموں کو جلد کرنے کی تلقین کرتی ہیں: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾[1]

"مسلمانو! نیکی کے کاموں میں جلدی کرو۔"

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾[2]

"اللہ سے مغفرت کے حصول میں تیزی دکھاؤ..."

نبی کریم ﷺ کے پاس بھی صدقہ موجود تھا جب کہ حق دار مسلمان موجود تھے۔ تو آپ نے کیا رویہ اختیار کیا؟ صحیح بخاری میں عقبہ بن حارث سے یہ حدیث مروی ہے:

صَلَّى بنَا النَّبِيُّ ﷺ العَصْرَ، فَأَسْرَعَ، ثُمَّ دَخَلَ البَيْتَ فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ خَرَجَ، فَقُلْتُ أَوْ قِيلَ لَهُ، فَقَالَ: «كُنْتُ خَلَّفْتُ فِي البَيْتِ تِبْرًا مِنَ الصَّدَقَةِ، فَكَرِهْتُ أَنْ أُبَيِّتَهُ، فَقَسَمْتُهُ»[3]

"نبی کریم ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی تو آپ نے اس میں تیزی کی اور پھر گھر میں چلے گئے اور جلد ہی باہر آگئے۔ پوچھا گیا تو فرمایا: میں نے گھر میں مال زکوۃ کا سونا چھوڑا تھا، مجھے ناگوار گزرا کہ میں ایک رات بھی اس کو اپنے پاس رکھوں، سو میں نے اسکو مستحقوں میں بانٹ دیا۔"

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الزکوۃ میں روایت کیا ہے۔ اور شیخ مصطفیٰ البغا نے اپنی شرح بخاری میں 'الصدقہ' کی تشریح 'الزکوۃ' سے کی ہے اور اس حدیث کی شرح میں شارح بخاری علامہ ابن بطال لکھتے ہیں:

فيه أن الخير ينبغي أن يُبادَر به، فإن الآفات تعرض والموانع تمنع والموت لا يؤمن والتسويف غير محمود

"پتہ چلا کہ نیکی کے کام میں جلدی ہی کرنی چاہیے۔ کیونکہ آفات پیش آجاتی ہیں اور رکاوٹیں راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ اور موت سے کوئی شخص مامون نہیں ہے، چنانچہ نیکی کو اگلے وقت

---

١ سورۃ البقرۃ:١٤٨

٢ سورۃ آل عمران:١٣٣

٣ صحیح بخاری، باب من أحب تعجيل الصدقة من يومها: ١٤٣٠

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر ٹالنا قابل تعریف امر نہیں۔"

امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص وقفے وقفے سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے، آپ کا اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ تو جواب دیا کہ

لا بل يخرجها كلها إن حال الحول... لا يجري على أقاربه من الزكاة في كل شهر يعني لا يؤخر إخراجها حتى يدفعها إليهم متفرقة في كل شهر شيئًا

"اگر سال گزر چکا ہو تو اسے مکمل زکوٰۃ اکٹھی ادا کرنی چاہیے۔ ایک اور بار فرمایا: اپنے عزیز و اقارب کو ہر ماہ زکاۃ سے ادائیگی کرنا درست نہیں۔ یعنی اس طرح زکوٰۃ کی تاخیر درست نہیں کہ ہر ماہ، اس کا کچھ حصہ وہ دے دیا کرے۔"

کویت کے فقہی انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

ذَهَبَ جُمْهُورُ الْعُلَمَاءِ (الشَّافِعِيَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ وَهُوَ الْمُفْتَى بِهِ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ) إِلَى أَنَّ الزَّكَاةَ مَتَى وَجَبَتْ، وَجَبَتِ الْمُبَادَرَةُ بِإِخْرَاجِهَا عَلَى الْفَوْرِ، مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى ذَلِكَ وَعَدَمِ الْخَشْيَةِ مِنْ ضَرَرٍ.[1]

"جمہور علما (شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ کا فتویٰ شدہ قول) یہ ہے کہ جب زکاۃ واجب ہو گئی تو اسے فوری طور پر ادا کرنا ہی ضروری ہے۔ بشرطے کہ اس کی ادائیگی پر قادر ہو اور ایسا کرنے سے صاحبِ نصاب کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

اس کے قدرت ہونے اور نقصان نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مالکِ زکاۃ کا خیال ہو کہ سال پورا ہونے اگر وہ زکوٰۃ نکال دے گا، جب کہ تحصیل دار ابھی نہیں پہنچا تو دوبارہ اس کو ادا کرنا ہو گی، اور حساب زکوٰۃ میں خلل واقع ہو گا۔ ایسے ہی مصارفِ زکوٰۃ میں سے زیادہ مستحق کو مال پہنچانے کا خیال ہو، تو اس وقت تاخیر کرنا جائز ہے جب تاخیر بہت معمولی ہو۔ اگر تاخیر زیادہ ہو اور دیگر مستحقین موجود ہوں تو پھر ترجیح کے تعین کی بھی گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے اس کی وضاحت کی ہے۔ نقصان یا ضرر پہنچنے کی صورت یہ بھی ہے کہ اس کا مال کسی اور معاملے میں اُلجھا ہو، اگر وہاں سے نکالے تو اس کا کافی نقصان ہو رہا ہو، چونکہ ایسی صورت میں قرض ادا کرنے میں بھی تاخیر کی گنجائش

1 الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۳/ ۲۹۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، چنانچہ اس الٰہی قرض کو بھی اس انسانی قرض پر قیاس کیا جائے گا۔ شرعی عذروں میں سے یہ بھی ہے کہ انسان کا مال کسی دینی مصلحت میں لگا ہو، اس مصلحت کی بنا پر اس کے لیے فوری ادا کرنا ممکن نہ ہو۔ سو جتنا مال موجود ہو، اس کو ادا کر دے اور باقی ماندہ مال جیسے ہی دستیاب ہو، اس کو بھی فوری ادا کرے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب 'الدر المختار' میں زکوۃ کی فوری ادائیگی کے حوالے سے لکھا ہے:

(وَقِيلَ فَوْرِيٌّ) أَيْ وَاجِبٌ عَلَى الْفَوْرِ (وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) كَمَا فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ (فَيَأْثَمُ بِتَأْخِيرِهَا) بِلَا عُذْرٍ (وَتُرَدُّ شَهَادَتُهُ) لِأَنَّ الْأَمْرَ بِالصَّرْفِ إِلَى الْفَقِيرِ مَعَهُ قَرِينَةُ الْفَوْرِ وَهِيَ أَنَّهُ لِدَفْعِ حَاجَتِهِ وَهِيَ مُعَجَّلَةٌ، فَمَتَى لَمْ تَجِبْ عَلَى الْفَوْرِ لَمْ يَحْصُلِ الْمَقْصُودُ مِنَ الْإِيجَابِ عَلَى وَجْهِ التَّمَامِ[1]

"کہا گیا کہ زکوۃ کی ادائیگی فوری کرنا واجب ہے اور یہی مفتیٰ بہ قول ہے جیسا کہ شرح وہبانیہ میں ہے۔ بلا عذر زکوۃ کی ادائیگی کو مؤخر کرنے والا گناہ گار ہو گا اور اس کی گواہی نامقبول ہو گی کیونکہ زکوۃ کو محتاج و فقیر تک پہنچانے کے حکم میں فوریّت کا قرینہ موجود ہے اور وہ یہ کہ اس کی حاجت ختم کی جائے جو کہ فوری ہوتی ہے۔ جب فوری ادائیگی واجب نہ ہو گی تو اس کو واجب کرنے کا مقصد بھی بصورتِ کامل ختم ہو جائے گا۔"

مذکورہ عبارت کی تشریح کرتے ہوئے قاضی ابن عابدین اپنی شرح 'ردّ المحتار' میں لکھتے ہیں:

فَتَكُونُ الزَّكَاةُ فَرِيضَةً وَفَوْرِيَّتُهَا وَاجِبَةٌ فَيَلْزَمُ بِتَأْخِيرِهِ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةِ الْإِثْمِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْكَرْخِيُّ وَالْحَاكِمُ الشَّهِيدُ فِي الْمُنْتَقَى؛ وَهُوَ عَيْنُ مَا ذَكَرَهُ الْإِمَامُ أَبُو جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُكْرَهُ... وَقَدْ ثَبَتَ عَنْ أَئِمَّتِنَا الثَّلَاثَةِ وُجُوبُ فَوْرِيَّتِهَا...[2]

"زکوۃ ایک فریضہ ہے، اور اس کو فوری ادا کرنا واجب ہے، بلا ضرورت اس کو مؤخر کرنے سے گناہ لازم آتا ہے، جیسا کہ کرخی، حاکم شہید نے منتقیٰ میں اس کی صراحت کی ہے۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جس کو امام ابو جعفر نے امام ابو حنیفہ سے ذکر کیا ہے۔ اور ہمارے تین ائمہ سے زکوۃ

---

۱ الدر المختار از حصکفی: ۲/۲۷۲

۲ ردّ المحتار از قاضی ابن عابدین: ۲/۲۷۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا فوری واجب الادا ہونا ثابت ہے۔"

یہاں حنفی علما کا ایک مشہور قول بھی ہے (جب کہ ان کا فتویٰ شدہ موقف پیچھے گزر چکا ہے) اور وہ یہ کہ زکوٰۃ کی فرضیت عمر بھر کے لیے ہے۔ انسان اپنی موت سے پہلے پہل جب بھی ادا کر دے، اس کے لیے گنجائش ہے۔ اگر موت سے قبل اس نے ادا نہیں کی تو وہ گناہ گار ہے۔ حنفیہ کے اس قول کا عجیب پہلو یہ بھی ہے کہ

وَذَهَبَ أَبُو حَنِيفَةَ وَالثَّوْرِيُّ وَالنَّخَعِيُّ وَالشَّعْبِيُّ إِلَى أَنَّ الزَّكَاةَ تَسْقُطُ بِالْمَوْتِ بِمَعْنَى أَنَّهَا لَا يَجِبُ إِخْرَاجُهَا مِنْ تَرِكَتِهِ، فَإِنْ كَانَ قَدْ أَوْصَى بِهَا فَهِيَ وَصِيَّةٌ تُزَاحِمُ سَائِرَ الْوَصَايَا فِي الثُّلُثِ، وَإِنْ لَمْ يُوصِ بِهَا سَقَطَتْ، لِأَنَّهَا عِبَادَةٌ مِنْ شَرْطِهَا النِّيَّةُ، فَسَقَطَتْ بِمَوْتِ مَنْ هِيَ عَلَيْهِ كَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ، فَإِنْ أَخْرَجَهَا الْوَرَثَةُ فَهِيَ صَدَقَةٌ تَطَوُّعٌ مِنْهُمْ[1]

"امام ابو حنیفہ، ثوری، نخعی اور شعبی رحمۃ اللہ علیہم کا موقف ہے کہ زکاۃ موت کے ساتھ ہی ساقط ہو جائے گی۔ یعنی اس کو میت کے ترکہ سے ادا کرنا ضروری نہیں۔ اگر میت نے اس کی وصیت کی تو پھر اس میں ایک تہائی تک وصیت کے اجرا کی شرط کا لحاظ کیا جائے گا۔ اگر میت نے وصیت نہ کی تو یہ ادائیگی ساقط ہو جائے گی کیونکہ عبادت میں نیت کرنا شرط ہے (اور وہ گناہ گار ہی اللہ کے پاس پیش ہو گا) ۔ اب یہ فرض نماز وروزہ کی طرح ناقص ہی رہے گا، اگر ورثا نے اپنے طور ادا کر بھی دی تو یہ نفلی صدقہ ہو گا، زکوٰۃ نہیں۔"

حنفی علما کا یہ مشہور موقف وفتویٰ خاصا عجیب ہے کہ اوّل تو اس کو زندگی بھر تک وسیع کر دیا اور اگر میّت وصیت نہ کر سکی تو پھر اس کی ادائیگی کا امکان بھی ختم اور وہ اللہ کے حضور اس کو ادا نہ کرنے کی سنگین ترین وعیدوں کی مستحق ہو گی۔ اب کون جانے کس وقت اس کی موت لکھی ہے؟ جس کو اچانک موت آگئی جو اکثر وبیشتر اچانک ہی آتی ہے، تو وہ گناہ گار ہی گیا۔ الغرض حنفیہ کے اس سارے موقف کی منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ پہلا ہی قول جو جمہور کا ہے، شرعی مفادات کا زیادہ لحاظ کرتا ہے جس میں حنفیہ کا ایک مفتیٰ بہ قول بھی شامل ہے کہ زکاۃ کو سال گزرنے کے بعد فوری ادا کر دیا جائے اور اس

---

1 حاشیہ ابن عابدین: ۲/۲۸، ۵۴ و ۵/۴۱۵ القاہرۃ، مطبع بولاق

© rasailojaraid.com

میں کوئی تاخیر نہ کی جائے۔

اس تفصیل سے علم ہوا کہ مالِ زکوٰۃ کی مثال امانت کی سی ہے، جب بھی اس کا مالک / طلبگار مانگے کیونکہ وہ اس کا حق ہے، تو اسے فوری ادا کرنا ہو گا۔ اسی طرح مال زکوٰۃ غربا و مساکین کا حق ہے، اور اس میں تاخیر کرنا ان کے حق کو ضرورت پیش آنے کے باوجود مؤخر کرنا ہے جو شرعی طور پر درست نہیں۔ معروف سعودی مفتی شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"زکاۃ کے واجب ہونے کے بعد اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنا جائز نہیں، بعض لوگوں پر زکاۃ شعبان میں واجب ہو جاتی ہے لیکن وہ اسے رمضان تک مؤخر کر دیتے ہیں، اس گمان سے کہ یہ افضل ہے، یہ فقرا کے حق کی ادائیگی میں تاخیر اور ان پر ظلم ہے، ربّ العزت کی نافرمانی اور اس کی حدود سے تجاوز ہے۔"[2]

سعودی عرب کی دائمی فتویٰ کونسل جس میں مستند ترین علما بڑی ذمہ داری سے ہر پیش آمدہ مسئلہ پر فتویٰ دیتے ہیں، ان سے ہمارے پیش نظر سوال کی مختلف صورتوں کے بارے میں سوالات کئے گئے ہیں، ذیل میں اُن کے جواب ملاحظہ کریں:

زکاۃ میں تاخیر اور زکاۃ کی رقم سے سرمایہ کاری کرنے کا حکم

سوال نمبر ۱: میرے مال کی سالانہ زکاۃ معقول رقم بنتی ہے مثلاً دس ہزار پونڈ اور میں چاہتا ہوں کہ زکاۃ کا یہ مال تین یا چار برس کے لیے کسی مستقل اسلامی بینک اکاؤنٹ میں رکھوں جس پر سالانہ آمدن ہو۔ ایسا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک مناسب رقم جمع ہو جائے جس سے عصری ضروریات سے ہم آہنگ ایک جدید ریسرچ سنٹر قائم کیا جائے جس کا ہدف منافع کی بجائے دعوت و تبلیغ ہو اور اس میں تحقیق کے لیے جدید ترین وسائل استعمال کیے جائیں۔ آئندہ میری سالانہ زکاۃ بھی اسی مرکز کی سرگرمیوں میں

١ عوام میں مشہور ہے کہ رمضان میں نیکی کا اجر سات سو گنا تک بڑھ جاتا ہے، اسی لیے وہ رمضان میں زکوٰۃ وغیرہ دینے کا اہتمام کرتے ہیں، حالانکہ فرمانِ نبوی میں رمضان کی قید کے بغیر، خلوصِ نیت سے کی جانے والی کوئی بھی نیکی ۷۰۰ گنا تک بڑھ سکتی ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ رَبَّكُمْ يَقُولُ: كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، وَالصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ» (جامع ترمذی: ۷۶۴) صحیح

٢ مجموع فتاویٰ ورسائل ابن عثیمین: ۱۸/۲۹۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف ہو، اس کے ساتھ ساتھ دیگر مسلمانوں سے بھی تعاون حاصل کیا جاتا رہے، تو کیا شرعی طور پر ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: ہم آپ کے دینی جذبے کے قدردان ہیں، لیکن آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ شریعتِ مطہرہ کے مطابق نہیں۔ کیونکہ جب سال مکمل ہونے پر زکاۃ واجب ہو چکی ہو تو اسے فوری نکالنا واجب ہو جاتا ہے، اور ادائیگی کا امکان ہوتے ہوئے اس میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔

زکاۃ ایک اہم عبادت ہے جسے ادا کرنے کے لیے مسلمان فرد کو اس کی مقدار، وقت اور جنس میں زکاۃ کے احکام کی پابندی کرنا لازم ہے، اور جب زکاۃ کی ادائیگی کا وقت آ چکا ہو تو اس میں تاخیر جائز نہیں، تاہم اگر اس کی تاخیر کا کوئی قابلِ قبول شرعی عذر ہو تو پھر تاخیر جائز ہے۔

جس دعوتی اور رفاہی منصوبوں کو آپ قائم کرنا چاہتے ہیں، اس میں مسلمانوں کو قائل کریں اور زکاۃ کے علاوہ کسی اور مد سے رقم حاصل کر کے اس منصوبہ کی تکمیل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب اور پسندیدہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ اعلم[1]

سوال نمبر ۲: سعودی عرب کی دائمی فتوی کمیٹی کے علماء کرام سے یہ سوال دریافت کیا گیا کہ جب زکاۃ کی ادائیگی کا وقت جمادی الاولیٰ ہو تو کیا ہم اسے بغیر کسی عذر کے رمضان المبارک تک مؤخر کر سکتے ہیں؟

کمیٹی کے علمائے کرام کا جواب تھا کہ سال پورا ہو جانے کے بعد بغیر کسی شرعی عذر کے زکاۃ نکالنے میں تاخیر کرنی جائز نہیں، مثلاً: اگر سال پورا ہونے کے وقت فقرا نہ ہوں، یا اُن تک پہنچانے کی طاقت واستطاعت نہ ہو، اور یا پھر مال موجود نہ ہو وغیرہ، تو ان اسباب کی بنا پر زکاۃ میں تاخیر کرنا جائز ہے۔ لیکن رمضان المبارک کی بنا پر زکاۃ میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر قلیل سی مدت ہو تو پھر جائز ہے، مثلاً نصف شعبان گزر جانے کے بعد سال پورا ہو رہا ہے تو پھر اس میں رمضان المبارک تک تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[2]

---

۱ ویب سائٹ: 'اسلام سوال وجواب' زیر نگرانی: شیخ محمد صالح المنجد، فتویٰ نمبر ۶۷۵۷۸ http://islamqa.info/ur/67578 بروز ۱۷/ اکتوبر ۲۰۱۴ء

۲ فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء: ۳۹۸/۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال نمبر۳: جس شخص پر زکاۃ واجب ہو چکی ہے، یا وہ ادارے اور تنظیمیں جو فقرا و مساکین تک زکوٰۃ پہنچانے کی ذمہ دار ہیں، ان کے لیے زکاۃ کے اموال میں تجارت جائز ہے؟ ان پر مستحق افراد تک اس کی ادائیگی کب واجب ہے، اور اگر سرمایہ کاری کرنا ہی ہو تو زکاۃ سے کی جا سکتی ہے؟

دائمی فتویٰ کمیٹی کے علماے کرام سے ایسی رفاہی تنظیم کے متعلق دریافت کیا گیا جو اپنے اموال سے سرمایہ کاری کرنا چاہتی ہے۔ تو کمیٹی کے علما نے جواب دیا:

اگر سوال میں مذکور مال زکاۃ کا ہو تو جیسے ہی تنظیم کے پاس مال آئے، اُسے فوراً زکاۃ کے شرعی مصارف میں خرچ کرنا واجب ہے، لیکن اگر وہ مال زکاۃ کا نہیں تو پھر تنظیم کی مصلحت کی خاطر اس سے سرمایہ کاری کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ایسا کرنے سے تنظیم اور اس کے معاونین کو اپنے اہداف پورے کرنے کے لیے زیادہ نفع حاصل ہو گا۔[1]

سوال نمبر۴: کمیٹی کے علما سے یہ بھی دریافت کیا گیا کہ کیا عالمی رفاہی ادارے کے لیے زکاۃ کے ان اَموال میں سرمایہ کاری کرنا ممکن ہے جو بعض اوقات بینکوں میں اس وقت تک رکھے جاتے ہیں جب تک ان کی ضرورت نہیں ہوتی، پھر اُنہیں نکلوا کر خرچ کیا جاتا ہے، اور سرمایہ کاری کی وجہ سے مصارفِ زکاۃ پر خرچ کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ بھی نہیں ہو گی، کیونکہ یہ سرمایہ کاری ایسی جگہوں پر ہو گی جہاں سے ضرورت کے وقت حاصل کرنا ممکن ہو، اور یہ جگہیں مکمل طور پر قابلِ اعتماد اور تحقیق شدہ ہیں۔ تاہم یقینی طور پر اس کی ضمانت نہیں دے سکتے کہ کہیں اس میں حرمت یا سود کا شبہ نہ آجائے، اس بنیاد پر کہ یہ رفاہی ادارہ بذاتہٖ کوئی ایک یا کئی ایک اشخاص پر مشتمل نہیں، بلکہ یہ ادارہ ایک فرضی شخصیت ہے جو کہ مستقل طور پر قائم ہے، چنانچہ اس کے ملازمین اسلام اور مسلمانوں کی خیر و بھلائی کے لیے اپنی رائے اور خیالات کے مطابق کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں؟

تو کمیٹی کے علماے کرام کا جواب تھا:

"تنظیم کا نمائندہ زکاۃ کے مال کو سرمایہ کاری میں استعمال نہیں کر سکتا، کیونکہ زکاۃ کی رقم کو شرعی نصوص کے مطابق مستحقین پر تقسیم کرنا واجب ہے؛ کیونکہ زکاۃ کا مقصد فقرا اور

---

1 فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء: ۹/۴۰۴، ۴۰۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت مند افراد کی حاجت اور مقروض افراد کے قرض کی ادائیگی ہے؛ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ زکاۃ کے مال کی سرمایہ کاری کرنے سے ہو سکتا ہے مذکورہ مصلحتیں پوری نہ ہوں، یا پھر مستحق افراد کی ضروریات پوری کرنے میں تاخیر ہو جائے۔"[1]

آغاز میں قرآن و سنت کے دلائل کے بعد فقہائے کرام اور سعودی عرب کے مختلف مفتیان کا موقف بیان ہو چکا ہے، یہاں ہم برصغیر کے حنفی علما کا موقف تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ دار العلوم ندوۃ العلما، لکھنؤ کے اُستاذِ فقہ مولانا عتیق احمد بستوی لکھتے ہیں:

"اموال زکوٰۃ کو اس کے مصارف میں ہی خرچ کرنا ضروری ہے۔ اموال زکوٰۃ سے کارخانے، فیکٹریاں وغیرہ قائم کرنے میں اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کلی یا جزوی طور پر مصارف زکوٰۃ میں صرف ہی نہ ہو سکے۔ یہ امکان بھی باقی ہے کہ فیکٹری خسارے میں چلی جائے یا ڈوب جائے۔ اس طرح زکوٰۃ دینے والوں کی پوری زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور مستحقین زکوٰۃ کی حاجات کا نقصان ہوا۔ بہت سے طالع آزما کاروبار کے نام پر زکوٰۃ کی بڑی بڑی رقمیں جمع کر کے مختلف تجربات میں برباد کر دیا کریں گے۔

ثانیا: زکوٰۃ کا سال بہ سال کا نظام دراصل ضرورت مندوں کی فوری ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے، اس کا مقصد مستقل روزگار کی فراہمی نہیں ہے۔ (ضرورت مندوں کے لیے ہر سال زکوٰۃ کو فرض کیا گیا ہے) خیر کے مزید کاموں کے لیے شریعت اسلامیہ نے وقف اور دیگر صدقات کا باب کشادہ رکھا ہے جس سے دیگر خیر کے کام ہو سکتے ہیں۔

ثالثاً: زکوٰۃ کا مال دراصل فوری اور اہم ضروریات کے لیے ہے، کچھ فقرا کو تو رہائشی مکان یا دوکان کا بندوبست کر دیا جائے اور ان سے زیادہ نادار، نان شبینہ کے محتاج فقرا بالکل ہی نظر انداز ہو جائیں، یہ مناسب نہیں ہے۔ فریضہ زکوٰۃ کے ذریعے اسلام نے فقر و فاقہ کا علاج کیا ہے۔ فقر و افلاس انسان کو ایسی منزل تک پہنچا دیتے ہیں کہ وہ اپنی عزت و آبرو اور دین و ایمان ہر چیز کو خیر باد کہہ دیتا ہے۔ عصر حاضر کی سائنسی اور ابلاغی و مواصلاتی ترقی کے باوجود دنیا کے کئی مسلم ممالک میں فقر و افلاس ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ افریقہ کے مسلم ممالک غذائی

---

[1] فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء: ۹/ ۴۵۵، ۴۵۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحران اور قحط سالی سے دوچار ہیں۔ فقر وافلاس کی اس سنگین صورتحال نے عیسائی مشنریوں کو یہ سنہرا موقع فراہم کیا ہے کہ وہ غریب و محتاج مسلمانوں کے دین وایمان سے کھلواڑ کریں۔ ان حالات میں فریضہ زکوٰۃ اور اس کے درست صرف سے ان مسائل کا علاج ہو سکتا ہے۔

رابعاً: اسلامی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ مال زکوٰۃ سے انویسٹمنٹ یا مزید کاروبار کیا گیا ہو۔ بلکہ محمد بن یوسف نے حضرت طاؤس کو مخلاف کا عامل بنا کر بھیجا، جب واپس ہوئے تو ان سے حساب طلب کیا، کہنے لگے: میرے پاس کوئی مال نہیں بچا، میں تو امراء سے وصول کر کے غربا میں تقسیم کرتا رہا ہوں۔"[1] ملخصاً

حنفی علما زکوٰۃ میں مسئلہ تملیک کو بطورِ خاص اہمیت دیتے ہیں، یعنی غریب کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دینا، یعنی مال زکوٰۃ کو ادا کر دینے کی بعد اس پر صاحبِ مال کا تصرف باقی نہیں رہنا چاہیے بلکہ اسے غریب کی ملکیت میں منتقل ہو جانا چاہیے۔ مزید برآں فقیر کو مال منتقل ہونا چاہیے، نہ کہ اس کی صرف منفعت۔ قرآن کریم میں ایتائے زکوٰۃ کا جو حکم ہے اور احادیث میں فقراء پر لوٹانے کی تلقین ہے، اس سے وہ تملیک کا استدلال کرتے ہیں۔ اس بنا پر فقرا کو رہائشی مکانات میں رہنے کی اجازت دینا، علاج معالجہ کی سہولت دینا، کھانا کھلا دینا، غربا کو ملازمت دے کر روزگار فراہم کر دینا یا کاروبار کے لیے دکان فراہم کر دینے میں تملیک کا پہلو مفقود نظر آتا ہے۔ چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

"زکوٰۃ کی رقم کو براہ راست کارخانہ یا فیکٹری کے قیام میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، نیز فقرا کو اس میں ملازمت دینا اور اس کا نفع مستحقین میں تقسیم کرنا زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ زکوٰۃ بطور حق مالکانہ، فقرا کو ادا کرنا ضروری ہے۔ نیز زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے قرآن وحدیث میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان سب میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے، چنانچہ ائمہ اربعہ کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ زکوٰۃ بغیر تملیک کے ادا نہیں ہو سکتی اور مساجد کی تعمیر یا کفن میت پر زکوٰۃ صرف نہ کرنے پر بھی فقہا کے مابین اتفاق ہے۔ الغرض مال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کی مذکورہ صورت میں تملیک نہیں پائی جاتی۔"[2]

---

۱ 'اموالِ زکاۃ کی سرمایہ کاری'، اسلامی فقہ اکیڈمی، نئی دہلی، ص ۶۱، ۵۲

۲ ایضاً، ص ۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیٹے کی زیر نگرانی مالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کرنا

اوپر بیان کردہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کرنا، درست نہیں اور بعض مخصوص حالات میں ہی زکوٰۃ میں معمولی تاخیر کی محدود گنجائش ہے یعنی کسی شرعی عذر یا مصلحت وغیرہ کے موقع پر۔ اندریں حالات اس نوعیت کے سارے کاروبار کی حیثیت بھی مشکوک ہی رہتی ہے۔ شرعی مقاصد کے فروغ کے لیے کیے جانے والے کاروبار کو مالِ زکوٰۃ کے علاوہ دیگر وقف وصدقہ کے اَموال سے پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ اس اعتبار سے بنیادی سوال، بیٹے کی بلا تنخواہ نگرانی یا اس میں نفع ونقصان کے احتمال کا نہیں ہے بلکہ اس میں ادائیگی کی تاخیر کا ہے۔ مزید برآں زکوٰۃ ادا کر دینے کے بعد اس پر مالکِ مال کا تصرف ختم ہو جانا چاہیے اور اس مال کو مصرفِ شرعی میں منتقل ہو جانا چاہیے، جب کہ پیش نظر صورتحال میں ایسا نہیں ہے۔

یہاں تک تو بات بڑی واضح ہے کہ مالکِ مال یا صاحبِ نصاب مسلمان کے لیے زکوٰۃ کو دیگر فرائض کی طرح سال پورا ہونے پر فوری طور پر ادا کر دینا چاہیے، تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔ تاہم کیا اسلامی حکومت یا بیت المال بھی اس امر کا پابند ہے کہ وہ زکوٰۃ ملنے کے فوری بعد، چند دنوں میں سارا مالِ زکوٰۃ صرف کر دے یا اس کو مسلمانوں کے حالات اور ان کے مصالح کی دیکھ بھال کے لیے اس مالِ زکوٰۃ کی کچھ تنظیم کا اختیار ہے۔

ہمارے پیش نظر سوال کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو تو صاحبِ نصاب لوگوں کا زکاۃ ادا کرنا ہے اور دوسرا پہلو ایک شرعی مرکزِ جمع وتقسیم بنا کر، اس مرکز کا مال میں اضافہ کرنے کی تدبیر کرنا ہے۔ اوّلین پہلو کی رو سے تو کسی صاحبِ نصاب کے لیے تو جائز نہیں کہ وہ مال کو سال گزرنے کے بعد اپنے پاس روکے رکھے اور اس کی تفصیل گزر چکی ہے، ایسا کرنے والا گناہ گار ہو گا۔ تاہم اگر وہ صاحبِ نصاب اسے ایک مرکز میں جمع کرا دیتا ہے اور وہ مرکز اس میں شرعی مصارف اور مصالح کو پیش نظر رکھتا ہے تو آیا یہ بیت المال غربا کی فلاح وبہبود یا بعض دیگر مصارف زکوٰۃ کی تکمیل کے لیے سال بھر کے اخراجات کی تنظیم وترتیب کر سکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ بیت المال میں ساری زکوٰۃ فی الفور خرچ نہیں ہو جاتی، اور دینی مساجد ومدارس جمع زکوٰۃ کے فوراً بعد اسے مکمل طور پر تقسیم نہیں کر دیتے، تو ان کے لیے ایک سال تک مصارفِ زکوٰۃ کی منصوبہ بندی (بجٹنگ) کرنا درست ہے، تاہم یہ درست نہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مال زکوٰۃ سے بڑی بھاری رقوم کئی سالوں کے لیے جمع رکھی جائیں اور مستحقین، محتاجی کا ہی شکار رہیں۔ ہر سال زکوٰۃ کی فرضیت سے یہی رجحان واضح ہوتا ہے کہ اموال زکوٰۃ کو سال بہ سال خرچ ہو جانا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ...

الغرض صورتِ مسئولہ میں درج ذیل خرابیاں موجود ہیں:

① مجوزہ مرکز جمع و تقسیم کسی شرعی رہنمائی میں کام نہیں کر رہا۔ زکوٰۃ کے احکام عام صدقات سے مختلف ہیں، مثلاً زکوٰۃ غیر مسلم پر صرف نہیں کی جا سکتی، ہر نیکی کے کام مثلاً تعلیم و صحت (سکولوں یا ہسپتالوں) یا سڑکوں، پلوں وغیرہ میں اسے صرف کرنا جائز نہیں۔ ناجائز مصارف مثلاً شادی کے اسرافات اور جہیز، بارات خرچ میں اسے نہیں لگایا جا سکتا۔ مسجد کی تعمیر، میت کی تجہیز و تکفین، فریضہ حج اور ادائیگی قرض میں اس کو صرف نہیں کر سکتے۔ پھر اس کے بعض مصارف شخصی ہیں اور بعض ادارہ جاتی۔ یہ کن اَموال میں واجب ہوتی ہے، اور کن میں نہیں؟ اور اس کی ادائیگی میں کیا احتیاطیں ملحوظ رکھنی چاہئیں؟ یہ تمام اُمور شرعی رہنمائی اور بصیرت کے محتاج ہیں۔

② زکوٰۃ کو جمع و تقسیم کرنے کے علاوہ، یہ مرکز کوئی اور شرعی اجتماعی فریضہ پورا نہیں کرتا۔ جیسے دیگر مراکز تعلیم دین، اقامتِ تبلیغ و جہاد، فروغِ شعائر اسلامیہ وغیرہ ایسے فرائض پورے کرتے ہیں جو مسلم حکومت کے فرائض ہیں۔ زکوٰۃ محض کوئی سماجی فنڈ نہیں جو سماجی مصلحت پر صرف ہوتا ہے، بلکہ یہ دینی فریضہ ہے، جو دینی فرائض پورے کرنے والے، شرعی احکام کو مد نظر رکھتے ہوئے دینی مصالح و مصارف پر ہی صرف کر سکتے ہیں۔ ایسا کام مساجد کمیٹی یا مدارس کر سکتے ہیں کیونکہ وہاں عالم دین کی رہنمائی بھی موجود ہوتی ہے اور وہ مسلم معاشرے کے دینی فرائض میں سے کسی کی تکمیل پر بھی متوجہ ہیں۔

③ مالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری بھی شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ اس طرح مستحق لوگوں تک ان کا حق پہنچنے میں تاخیر ہوتی ہے۔ جو مال زکوٰۃ ادائیگی سے قبل کاروبار میں لگ گیا، اور اس میں نقصان بھی ہو گیا تو مالک مال کو زکوٰۃ کو دوبارہ ادا کرنا ہو گا، ان کا فریضہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب

(ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

© rasailojaraid.com